مرزا ہادی رسوا

سالِ ولادت: ۱۸۵۸ء **سالِ وفات: ۱۹۳۱ء**

مرزا رسوا لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصلی نام مرزا ہادی اور قلمی نام رسوا تھا۔ وہ نسلاً مغل خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے جدِّ امجد ایرانی شہر ماژندران سے قسمت آزمائی کے لیے نقل مکانی کر کے دہلی چلے آئے اور شاہی فوج سے منسلک ہو گئے۔ دہلی کے اجڑنے کے بعد ان کے صاحبزادے نے فیض آباد اور فیض آباد سے لکھنؤ کا رخ کیا۔

مرزا رسوا کے والد کا نام آغا محمد تقی تھا۔ وہ ایک فوجی عہدہ دار تھے اور فارسی، نجوم اور ہندسہ کے علوم پر عبور رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ رسوا نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور عربی، فارسی، حساب، طب، نجوم، منطق، فلسفہ اور انگریزی تعلیم بھی حاصل کی۔ اس کے بعد ۱۸۷۶ء میں رڑکی کالج سے اوورسیئری کا امتحان پاس کر کے مختلف جگھوں پر ملازمت کی مگر مزاج کی ناموافقت کے باعث ملازمت ترک کر کے پڑھانے کا شغل اپنالیا۔ اُنھوں نے کئی جرائد بھی جاری کیے۔

۱۸۸۸ء میں لکھنؤ میں ریڈ کرسچین کالج کے قیام کے بعد وہاں عربی و فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۹ء میں دارالترجمہ حیدرآباد میں ملازم ہوئے اور متعدد انگریزی کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کیا۔ ان تراجم کو امریکہ بھیجا جن کی بنا پر اُنھیں پی ایچ ڈی اور ڈی ایس او کی ڈگریاں ملیں۔

رسوا نے انگلستان سے کیمیا کے آلات منگوا کر ان پر تجربات کر کے کیمیا کی تعلیم بھی حاصل کی۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے دارالترجمہ میں بھی کام کیا۔ بالآخر ۲۱۔ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو ۷۲ سال کی عمر میں اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔

مرزا رسوا ایک بہت اچھے ناول نگار ہونے کے ساتھ ایک خوش فکر اور زود گو شاعر بھی تھے۔ ناول نگاری ان کی وجہِ شہرت ہے۔ ''افشائے راز''، ''ذاتِ شریف''، ''شریف زادہ'' اور ''اختری بیگم'' ان کے بہترین ناول ہیں۔ یہ تمام طبع زاد ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے انگریزی ناول بھی اُردو میں ترجمہ کیے۔ مرزا رسوا کی وجہِ شہرت ان کا ناول ''امراؤ جان ادا'' ہے۔ یہ اپنے زمانے کا مقبول عام ناول تھا جو اس زمانے کی تہذیب و معاشرت کی جیتی جاگتی تصویر پیش کرتا ہے۔

''امراؤ جان ادا'' کی عبارت اور زبان دانی اس ناول کا نمایاں وصف ہے۔ یہ ایک نہایت منظّم مربوط اور باقاعدہ ناول ہے۔ اس کی کردار نگاری اس قدر شان دار ہے کہ تمام کردار واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ گویا یہ سب کچھ ہمارے سامنے ہو رہا ہے۔ منظر نگاری اتنی پرکشش ہے کہ تمام واقعات و حقائق ہماری آنکھوں کے سامنے پھر جاتے ہیں۔

''امراؤ جان ادا'' کے کردار کی تخلیق میں رسوا کی فنی بصیرت پوری طرح نمایاں ہے۔ اس کردار کے ذریعے سے رسوا نے اس وقت کی زوال پذیر معاشرت کی سیر کرائی ہے۔

امراؤ جان ادا

لطف ہے کون سی کہانی میں

آپ بیتی کہوں کہ جگ بیتی ؟

باپ دادا کا نام لے کے اپنی سرخروئی جتانے سے فائدہ کیا اور سچ تو یہ ہے کہ مجھے یاد بھی نہیں۔ہاں اتنا جانتی ہوں کہ فیض آباد میں شہر کے کنارے کسی محلے میں میرا گھر تھا۔میرا مکان پختہ تھا۔آس پاس کچھ کچے مکان کچھ جھونپڑے۔رہنے والے بھی ایسے ویسے ہی لوگ ہوں گے۔کچھ بہشتی، کچھ نائی، دھوبی، کہار، میرے مکان کے سوا ایک اونچا گھر اس محلے میں اور بھی تھا۔اس مکان کے مالک کا نام دلاور خاں تھا۔

میرے ابا بہو بیگم صاحب کے مقبرے پر نوکر تھے۔معلوم نہیں کیا تنخواہ تھی۔اتنا یاد ہے کہ لوگ ان کو جمعدار کہتے تھے۔

دن بھر میں اپنے بھائی کو کھلایا کرتی تھی اور وہ مجھ سے اس قدر ہلا ہوا تھا کہ دم بھر کے لیے نہ چھوڑتا تھا۔

ابا جب شام کو نوکری پر سے آتے تھے،اس وقت کی خوشی ہم بھائی بہنوں کی کچھ نہ پوچھیے۔میں کمر سے لپٹ گئی۔بھائی ابا ابا کر کے دوڑا، دامن سے چمٹ گیا۔ابا کی باچھیں مارے خوشی کے کھلی جاتی ہیں۔مجھ کو چمکارا، پیٹھ پر ہاتھ پھیرا، بھیا کو گود میں اٹھالیا، پیار کرنے لگے۔مجھے خوب یاد ہے کہ کبھی خالی ہاتھ گھر نہ آتے تھے۔کبھی دو، کتارے ہاتھ میں ہیں۔کبھی بتاشوں اور تل کے لڈوؤں کا دونا ہاتھ میں ہے۔اب اس کے حصے لگائے جا رہے ہیں۔اس وقت بھائی بہنوں میں کس مزے کی لڑائیاں ہوتی تھیں۔وہ کتارا[1] چھینے لیے جاتا ہے۔میں مٹھائی کا دونا ہتھیائے لیتی ہوں۔اماں سامنے کھانا پکا رہی ہیں۔ابا ادھر آ کے بیٹھے نہیں ادھر میرے تقاضے شروع ہو گئے۔"ابا گڑیاں نہیں لائے۔دیکھو میرے پاؤں کی جوتی کیسی ٹوٹ گئی ہے۔تم کو تو خیال ہی نہیں رہتا۔لو ابھی تک میرا طوق سنار کے ہاں سے بن کے نہیں آیا۔چاہے کچھ ہو عید کے دن تو میں نیا جوڑا پہنوں گی، ہاں میں تو نیا پہنوں گی۔جب اماں کھانا پکا چکیں، مجھے آواز دی۔میں گئی، روٹی کی ٹوکری اور سالن کی پتیلی اٹھالائی۔دستر خوان بچھا، اماں نے کھانا نکالا، سب نے سر جوڑ کر کھانا کھایا۔خدا کا شکر کیا۔ابا نے عشا کی نماز پڑھی، سو رہے۔صبح کو تڑکے ابا اٹھے۔نماز پڑھی۔اسی وقت میں کھٹرک سے اٹھ بیٹھی۔پھر فرمائشیں شروع ہوئیں۔

"میرے ابا آج نہ بھولنا گڑیاں ضرور لیتے آنا۔شام کو بہت سارے امرود اور نارنگیاں لانا......"

ابا صبح کی نماز پڑھ کے وظیفہ پڑھتے ہوئے کوٹھے پر چڑھ جاتے تھے۔کبوتروں کو کھول کے دانہ دیتے تھے۔اتنے میں اماں جھاڑو بہارو سے فراغت کر کے کھانا تیار کر لیتی تھیں، کیونکہ ابا پہر دن چڑھے سے پہلے ہی نوکری پر چلے جاتے تھے۔اماں سینے پرونے بیٹھ جاتی تھیں۔میں بھیا کو لے کے کہیں محلے میں نکل گئی یا دروازے پر املی کا درخت تھا وہاں چلی گئی۔ہمجولی لڑکیاں لڑکے جمع ہوئے بھیا کو بٹھا دیا۔خود کھیل میں مصروف ہو گئی۔کیا دن تھے۔کسی بات کی فکر ہی نہ تھی۔اچھے سے اچھا کھاتی تھی اور بہتر سے بہتر پہنتی تھی کیوں کہ ہمجولی لڑکے لڑکیوں میں کوئی مجھے اپنے سے بہتر نظر نہ آتا تھا۔دل کھلا ہوا نہ تھا۔نگاہیں پھٹی ہوئی نہ تھیں۔جہاں میں رہتی تھی وہاں کوئی مکان میرے مکان سے اونچا نہ تھا اور سب ایک کٹھریا[2] میں رہتے تھے۔میرے مکان میں آمنے سامنے دو دالان تھے۔صدر کے دالان کے آگے کھپریل[3] پڑی ہوئی دو کوٹھریاں تھیں۔سامنے دالان کے ایک باورچی خانہ تھا۔دوسری طرف کوٹھے کا زینہ۔کوٹھے پر ایک کھپریل، دو

۱۔ایک قسم کا پتلا گنا جس سے رس نکال کر گُڑ بناتے ہیں۔ ۲۔کٹیا، جھونپڑی ۳۔کھپروں سے بنائی ہوئی چھت۔کھپرا مٹی کے ٹھیکرے کو کہتے ہیں۔

کوٹھریاں کھانے پکانے کے برتن ضرورت سے زیادہ تھے۔ دو چار دریاں' چاندنیاں بھی تھیں۔ ایسی چیزیں محلے کے لوگ ہمارے گھر سے مانگنے آتے تھے۔ ہمارے گھر میں بہشتی پانی بھرتا تھا۔ محلے کی عورتیں خود ہی کنوئیں سے پانی بھرلاتی تھیں۔ ہمارے ابا جب گھر سے وردی پہن کر نکلتے تھے تو لوگ انھیں جھک جھک کر سلام کرتے تھے۔ میری اماں ڈولی پر سوار ہو کے مہمان جاتی تھیں۔ ہمسائیاں پاؤں پاؤں، پیدل ماری ماری پھرتی تھیں۔

میں صورت شکل میں بھی اپنی ہجولیوں سے اچھی تھی۔ اگرچہ درحقیقت خوب صورتوں میں میرا شمار نہیں ہوسکتا مگر ایسی بھی نہ تھی جیسی اب ہوں۔ کھلتی ہوئی چمپئی رنگت تھی، ناک نقشہ بھی خیر کچھ ایسا برا نہ تھا۔ ماتھا کسی قدر اونچا تھا۔ آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ بچپنے کے پھولے پھولے گال تھے۔ ناک اگرچہ ستواں[1] نہ تھی مگر چپٹی اور پہیہ پھری بھی نہ تھی۔ ڈیل ڈول بھی سن کے موافق اچھا تھا۔ اگرچہ اب ویسی نہیں رہی۔ نازکوں میں میرا شمار نہ جب تھا نہ اب ہے۔ اُس قطع پر پاؤں میں لال گل بدن کا پائجامہ چھوٹے چھوٹے پائنچوں[2] کاٹول کا نیفہ، نینو[3] کی کرتی' تن زیب کی اوڑھنی، ہاتھوں میں چاندی کی تین تین چوڑیاں' گلے میں طوق' ناک میں سونے کی نتھنی اور سب لڑکیوں کی نتھنیاں چاندی کی تھیں۔ کان ابھی ابھی تازے تازے چھدے تھے۔ ان میں صرف نیلے ڈورے پڑے تھے۔ سونے کی بالیاں بننے کو گئی تھیں۔

میری شادی میری پھوپھی کے لڑکے کے ساتھ ٹھہری ہوئی تھی۔ منگنی نو برس کے سن میں ہو گئی تھی۔ اب ادھر سے شادی کا تقاضا تھا۔ میری پھوپھی نواب گنج میں بیاہی ہوئی تھیں۔ پھوپھا ہمارے زمیندار تھے۔ پھوپھی کا گھر ہمارے گھر سے زیادہ بھرا پُرا تھا۔ منگنی ہونے سے پہلے میں کئی مرتبہ اپنی ماں کے ساتھ وہاں جا چکی تھی۔ وہاں کے کارخانے ہی اور تھے۔ مکان تو کچا تھا مگر بہت وسیع' دروازے پر چھپر پڑے تھے۔ گائے' بیل' بھینسیں بندھی تھیں۔ گھی' دودھ کی افراط تھی۔ اناج کی کثرت، بھٹوں کی فصل میں ٹوکروں بھٹے چلے آتے ہیں۔ اوکھ کے ڈھیر لگے ہوئے۔ کوئی کہاں تک کھائے!

غرض کہ میں اپنی حالت میں خوش تھی اور کیوں نہ خوش ہوتی کیوں کہ اس سے بہتر اور کوئی حالت میرے خیال میں نہ آسکتی تھی۔ مجھے اپنی تمام آرزوئیں بہت ہی جلد پوری ہوتی معلوم ہوتی تھیں۔

مجھے یاد نہیں کہ جب تک میں اپنے ماں باپ کے گھر میں رہی مجھے کوئی صدمہ پہنچا ہو مگر ایک مرتبہ جب میری انگلی کا ایک چھلا چنداڈھیری کھیلنے میں جاتا رہا، موا چاندی کا تھا، شاید ایک آنہ[4] سے زیادہ کا نہ ہوگا۔ یہ اب کہتی ہوں اس وقت اتنی تمیز کہاں تھی کہ قیمت کسی چیز کی مجھے معلوم ہی نہ تھی۔ اس چھلے کے لیے اتنا روئی کہ آنکھیں سُوج گئیں۔ اماں سے دن بھر چھپایا۔ آخر جب رات کو انھوں نے انگلی خالی دیکھی مجھ سے حال پوچھا۔ اب کہنا ہی پڑا۔ اماں نے ایک طمانچہ میرے منہ پر مارا۔ میں چیخیں مار مار کے رونے لگی۔ ہچکیاں بندھ گئیں۔ اتنے میں ابا آگئے۔ انھوں نے مجھے چمکارا۔ اماں پر خفا ہوئے۔ اس وقت مجھے تسکین ہوئی۔

بے شک ابا مجھے اماں سے زیادہ چاہتے تھے۔ ابا نے کبھی پھول کی چھڑی نہیں چھوائی۔ اماں ذرا ذرا سی بات پر مار بیٹھتی تھیں۔ اماں چھوٹے بھیا کو بہت چاہتی تھیں۔ چھوٹے بھیا کے لیے میں نے بہت مار کھائی مگر پھر بھی مجھے اس سے انتہائی محبت تھی۔ اماں کی ضد سے تو کبھی کبھی دو دو پہر میں نے گود میں نہیں لیا مگر جب ان کی آنکھ اوجھل ہوئی فوراً گلے سے لگا لیا۔ گود میں اٹھا لیا۔ پیار کر لیا۔ جب دیکھا اماں

۱۔ ستواں۔ پتلی ۲۔ ایک قسم کا کپڑا جس کی بناوٹ کھیس جیسی ہوتی ہے۔ ۳۔ ایک قسم کا باریک سوتی کپڑا جس پر آنکھ کی طرح تارے تارے ہوتے ہیں۔
۴۔ آنے سے (اب اس طرح لکھا جانا چاہیے)

آتی ہیں جلدی سے اتار دیا۔ اب وہ رونے لگا۔ اس پر اماں سمجھتی تھیں کہ میں نے رلا دیا۔ لگیں گھر کیاں دینے۔

یہ سب کچھ تھا مگر جہاں میری انگلی دکھی اور اماں بے قرار ہو گئیں۔ کھانے پینے کا ہوش نہیں، راتوں کی نیند حرام۔ کسی سے دوا پوچھتی ہیں، کسی سے تعویذ منگاتی ہیں۔

میرے جہیز کے لیے اپنے گلے کا سب گہنا اتار کے ابا کے حوالے کیا۔ ''اس میں تھوڑی چاندی ملوا کے پھر سے بنوا دو۔ دو ایک عدد جو نئے بنے ہوئے ہیں ان کو اجلوا دو۔'' گھر بھر کے برتنوں میں سے دو چار رکھ لیے۔ باقی نکال کے الگ کر دیے کہ ان پر قلعی کرا دو۔ بلکہ ابا نے کہا بھی کہ اپنے آئندہ کا بھی خیال رکھو۔ اماں نے کہا اوہ جی ہو گا۔ تمھاری بہن زمیندار کی بیوی ہیں۔ وہ بھی تو جانیں کہ بھائی نے لڑکی کو کچھ دیا۔ لاکھ تمھاری بہن ہیں۔ سسرال کا نام برا ہوتا ہے۔ میری لڑکی ننگی بوچی[1] جائے گی تو لوگ طعنے دیں گے۔

مرزا رسوا صاحب! میں نے اپنے ماں باپ کے گھر اور بچپن کی حالت کا پُورا نقشہ آپ کے سامنے کھینچ دیا ہے۔ اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اگر میں اس عالم میں رہتی تو خوش رہتی یا ناخوش، اسے آپ خود قیاس کر سکتے ہیں۔ میری ناقص عقل میں تو یہ آتا ہے کہ میں اسی حالت میں اچھی رہتی مگر مجھ بدنصیب ناشدنی کو بخت و اتفاق نے مجبور کر[2] ایسے جنگل میں چھوڑا جہاں سوائے گمراہی کے کوئی راستہ ہی نہ تھا۔

(امراؤ جان ادا)

۱۔ جس کے پاس زیور نہ ہوں ۲۔ مجبور کر کے (اب اس طرح لکھا جائے گا)

مشق

1- مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جواب لکھیں۔

i- امراؤ جان ادا کہاں کی رہنے والی تھی؟

ii- دلاور خان کون تھا؟

iii- امراؤ جان ادا کی شکل و صورت کیسی تھی؟

iv- امراؤ جان ادا کی منگنی کس سے ہوئی تھی؟

v- امراؤ جان ادا انگلی کا چھلاّ گم ہو جانے کا واقعہ کیوں چھپا رہی تھی؟

vi- کیا امراؤ جان ادا اپنے ماں باپ کے گھر میں خوش تھی؟

2- مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات میں سے درست جواب سے پہلے (✓) کا نشان لگائیں:

i- ''امراؤ جان ادا'' کے مصنف کا نام کیا ہے؟

ا۔ میر امن ب۔ مرزا رسوا

ج۔ رجب علی سرور د۔ حیدر بخش حیدری

ii- مرزا رسوا کا تعلق کس شہر سے تھا؟

ا۔ لاہور سے ب۔ دہلی سے

ج۔ لکھنؤ سے د۔ علی گڑھ سے

iii- مرزا رسوا کی وجہ شہرت کیا ہے؟

ا۔ شاعری ب۔ مضمون نگاری

ج۔ افسانہ نگاری د۔ ناول نگاری

iv- مرزا رسوا نے اردو کے علاوہ کس زبان میں لکھا؟

ا۔ انگریزی میں ب۔ پنجابی میں

ج۔ سندھی میں د۔ بلوچی میں

3- سبق کے حوالے سے مندرجہ ذیل جملوں کی وضاحت کریں۔

i- باپ دادا کا نام لے کے اپنی سرخروئی جتانے سے فائدہ کیا اور سچ تو یہ ہے کہ مجھے یاد ہی نہیں۔

ii- اگرچہ درحقیقت خوبصورتوں میں میرا شمار نہیں ہو سکتا مگر ایسی بھی نہ تھی جیسی اب ہوں۔

iii- مگر مجھ بدنصیب ناشدنی کو بخت واتفاق نے مجبور کر ایسے جنگل میں چھوڑا جہاں سوائے گمراہی کے کوئی راستہ ہی نہ تھا۔

iv- جہاں میری انگلی دکھی اماں بے قرار ہو گئیں۔

4- امراؤ جان ادا نے اپنے بچپن کے بارے میں جو کچھ بتایا' اپنے الفاظ میں لکھیں۔

5- ''تنقید'' کا مطلب ہے: ''تبصرہ، نکتہ چینی، جانچ، پرکھ'' ادب میں اس سے مراد ہے کسی تحریر پر اس طرح بحث کرنا کہ اس کی خوبیا
اور خامیاں قاری کے سامنے آجائیں۔

اب آپ مرزا رسوا کی تصنیف ''امراؤ جان ادا'' پر ایک تنقیدی نوٹ لکھیں۔

6- مندرجہ ذیل الفاظ وتراکیب کا مفہوم لکھیں:

نگی بوچی، بخت واتفاق، آپ بیتی، ناشدنی، چمکارا، قیاس

☆☆......☆☆......☆☆